میرے محترم شوہر

راحت نسیم ملک (مرحوم) کی شاعری

تاریخِ پیدائش 10اپریل1944

تاریخِ وفات 20فروری2012

(یہ شاعری اُن کی وفات کے بعد مختلف ادبی رسائل سے ملی اور خاکسار نے اسے اکٹھا کر کے کمپوز کر دیا تا کہ ضائع نہ ہو جائے)

ارشاد عرشی ملک

فہرست صفحہ نمبر

۱۔ کھلے ہیں پھول تو جھڑ جائیں گے کوئی دن میں ۔۔۔۔۴
۲۔سوال اِک ہی رہے اور جواب بدلے گئے ۔۔۔۔۔۔۵
۳۔عمر تو شائد کٹ جائے گی آج کی رات کٹے تو جانیں ۔۔۶
۴۔رت جگوں کے شہر میں پیارے مہِ کامل نہ بن ۔۔۔۔۷
۵۔میرے ہونے میں کھلے اس کا رچاؤ ایسے ۔۔۔۔۔۔۸
۶۔نخلِ بے برگ نئے پھولوں سے بھرتا دیکھوں ۔۔۔۔۔۹
۷۔بکھرا پڑا ہوں کب سے خلاؤں کے درمیاں ۔۔۔۔۱۰
۸۔بساطِ عمر پہ ہر خواب میں نے ہار دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۱
۹۔خون سے لکھے ہوئے اوراق سے روشن ہوئی ۔۔۔۔۔۱۲
۱۰۔اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے مفر ممکن نہیں ۔۔۔۔۔۱۳
۱۱۔شاعر کے بکھرنے کی ادا دیکھتے رہنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۴
۱۲۔تو بھی یوسف ہے مگر یہ جان کر ارزاں نہ ہو۔۔۔۔۱۶
۱۳۔لرزش لہو کو درد کو زیبائی دے مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۷
۱۴۔جن میں خوابوں کی دھنک تھی وہ رُتیں جاتی رہیں ۔۱۸
۱۵۔عمر بھر اوڑھے رہے گو ہم ردائے زندگی ۔۔۔۔۔۱۹
۱۶۔گھر پہنچ کر دور جاتے راستوں کی سوچنا۔۔۔۔۔۔۲۱
۱۷۔تیرتے پھرتے ہیں سب لہروں پہ منظر ایک سے ۔۲۳

۱۸۔روتے روتے آخر تھک کر سو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۲۴

۱۹۔محبت میں شاعری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۵

۲۰۔نظم (ہمارے ہاتھوں پہ جو لکھا ہے)۔۔۲۶

۲۱۔اُداسی میں ایک تجربہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۸

۲۲۔کُوک فریدا کُوک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۳۰

۲۳۔۲۷دسمبر ۲۰۰۷ (بینظیر کے لئے ایک آنسو۔۳۲

۲۴۔الف لیلہ ولیلہ ۲۰۰۳۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۳۴

۲۵۔زندگی سے ایک اقتباس۔۔۔۔۔۔۔۔۳۸

۲۶۔بچوں پر ایک نظم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۴۰

۲۷۔جے کجھ لبھے تاں کجھ آکھاں۔۔۔۴۲

۲۸۔۲۱دسمبر کی ایک شام۔۔۔۔۔۔۔۴۳

۲۹۔پنجابی غزل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۴۴

کھلے ہیں پھول تو جھڑ جائیں گے کوئی دن میں

راحت نسیم ملک

کھلے ہیں پھول تو جھڑ جائیں گے کوئی دن میں
ملا کرو کہ بچھڑ جائیں گے کوئی دن میں

ہوائیں ابر کی صورت بکھیر دیں گی ہمیں
دھنک کے رنگ اُجڑ جائیں گے کوئی دن میں

سرکتی ریت پہ کب تک قدم جما کے چلیں
یونہی جیئے تو اُکھڑ جائیں گے کوئی دن میں

ذرا رُکو کہ جُدا ٹھہریں منزلیں اپنی
سفر کڑے تو نبڑ جائیں گے کوئی دن میں

تھکن کی دھول اُفق پر اُتر رہی ہے نسیم
نظر کے کھیل بگڑ جائیں گے کوئی دن میں

سوال اِک ہی رہے اور جواب بدلے گئے

سوال اِک ہی رہے اور جواب بدلے گئے
کہ ہم وہی ہیں ہمارے نصاب بدلے گئے

تمام حرف وہی ہیں کتاب اور ہوئی
سُنا ہے شہر میں اہلِ کتاب بدلے گئے

سفر کے ساتھ نئے راستے نکل آئے
ہماری پیاس بڑھی یا سُراب بدلے گئے

ہوا بدلتے ہی پہچان چھن گئی سب سے
بس ایک آن میں سب کے نقاب بدلے گئے

نئے تقاضوں پہ ڈھالے گئے عہد نامے
وفا کی شرط گئی دل کے باب بدلے گئے

ہمیں ہیں جو نئے محور پہ گھومتے ہیں نسیم
یا اس مدار میں سب ماہتاب بدلے گئے

☆☆☆☆☆

عمر تو شائد کٹ جائے گی آج کی رات کٹے تو جانیں

عمر تو شائد کٹ جائے گی آج کی رات کٹے تو جانیں
نیند کا بوجھ تو آنکھ سے اُترا، دل کا بوجھ ہٹے تو جانیں

بارش کے نم ہونٹ ابھی تک صحراؤں کے ہونٹوں پر ہیں
ریت ابھی کتنی پیاسی ہے، پیاس کا ابر چھٹے تو جانیں

کوہِ ندا کو جانے والے اندھی دھند میں چلتے ہیں
تنہا ہیں یا ساتھ ہے کوئی، راہ کی دھند چھٹے تو جانیں

سورج کی اُمید میں سارے شہر نے شمعیں گُل کر دیں
صبح کا تارا ڈوب رہا ہے، پَو بھی ساتھ پھٹے تو جانیں

لکھنے والے ہم نے مانا اوروں کا دُکھ بانٹتے ہیں
اِک دن یونہی لکھتے لکھتے اپنا درد بٹے تو جانیں

رت جگوں کے شہر میں پیارے مہِ کامل نہ بن

رت جگوں کے شہر میں پیارے مہِ کامل نہ بن
نیند کو ترسی ہوئی آنکھوں سے ڈر پاگل نہ بن

میں وہ دریا ہوں کہ خود اپنے کنارے چاٹ لوں
دیکھ میں طوفاں میں ہوں میرے لئے ساحل نہ بن

میرے اندر اِک نگر ہے خواہشوں کے سحر کا
میری سرحد میں نہ آ اپنے لئے مقتل نہ بن

تیری دو بوندوں سے میں کچھ اور بھی جل جاؤں گا
درد کے تپتے ہوئے صحراؤں کا بادل نہ بن

دیو داسی مان جا کہ دیوتا کوئی نہیں
اپنے پاؤں روک لے ٹوٹی ہوئی پائل نہ بن

تو نے کن کانٹوں پہ آکر اپنا آنچل رکھ دیا
میں ترے قابل نہیں ہوں تو مرے قابل نہ بن

ہاتھ کی ریکھا کی سچائی سے ڈرتا ہوں نسیم
اپنے سوچے حرف سے کیسے کہوں باطل نہ بن

میرے ہونے میں کھلے اس کا رچاؤ ایسے

میرے ہونے میں کھلے اس کا رچاؤ ایسے
لفظ لکھ پاؤں کبھی دل کے سبھاؤ ایسے

اپنی ہی آگ سے اِک روز چٹخ جاؤں گا
جلتے رہتے ہیں مرے خوں میں الاؤ ایسے

راستہ جیسے روانی میں بدل آیا ہوں
آ گئے میرے کناروں میں کٹاؤ ایسے

میری آنکھوں پہ ترے ہونٹ بھلے ہیں لیکن
جانِ من بھرتے ہیں کیا روح کے گھاؤ ایسے

جس کی بانہوں کا سہارا تھا وہی بوجھ ہوا
میرے تیور بھی ہوئے ڈوبتی ناؤ ایسے

ٹوٹتے پتے ہواؤں میں گلے ملتے ہیں
پیارے جاتے ہو تو پھر مل کے تو جاؤ ایسے

میں اُتر آیا ہوں کن اندھے نشیبوں میں نسیم
کیا ہوئے شعر وہ دریا کے بہاؤ ایسے

....

نخلِ بے برگ نئے پھولوں سے بھرتا دیکھوں

راحت نسیم ملک

نخلِ بے برگ نئے پھولوں سے بھرتا دیکھوں
خواب خوشبو کی طرح خود میں بکھرتا دیکھوں

رت جگے چُبتی اداسی میں کھلیں جب آنکھیں
چاند کو شہر کی بانہوں میں اُترتا دیکھوں

زرد پتوں کو نئے درد کی بارش چومے
سوکھتے پیڑ پہ اِک زخم اُبھرتا دیکھوں

تیری خواہش کا صدف تہ چھپائے نکلوں
اپنی لہروں کو بھنور بن کے سنورتا دیکھوں

تیری سانسوں کی اُلجھتی ہوئی تحریر پڑھوں
یوں بھی سوچے ہوئے حرفوں کو نکھرتا دیکھوں

اُس کے ہونے سے میں جینے کا ہنر پاؤں نسیم
چاہ میں جان سے یوں خود کو گذرتا دیکھوں

☆☆☆☆☆☆

بکھرا پڑا ہوں کب سے خلاؤں کے درمیاں

راحت نسیم ملک

بکھرا پڑا ہوں کب سے خلاؤں کے درمیاں
میں بٹ کے رہ گیا ہوں خداؤں کے درمیاں

ہیں سب ہتھیلیوں پہ کٹے سر دھرے ہوئے
اس شہرِ بے ایماں میں اناؤں کے درمیاں

کتنے ستارے رات کی گدڑی میں کھو گئے
اِک کہکشاں دفن ہے گھپاؤں کے درمیاں

دل کے مکاں کو درد کا آسیب راس ہے
کٹتی ہے خوب اندھی بلاؤں کے درمیاں

سب سائے سبز زرد رُتیں ساتھ لے اُڑیں
اُجڑے کھڑے ہیں پیڑ اب گاؤں کے درمیاں

کیا جانے کون خاک مجھے کھینچ لے نسیم
ہوں ڈولتی پتنگ ہواؤں کے درمیاں

بساطِ عمر پہ ہر خواب میں نے ہار دیا

راحت نسیم ملک

بساطِ عمر پہ ہر خواب میں نے ہار دیا
ترے خیال نے پھر بھی بہت قرار دیا

مجھے سمیٹ لیا ہے تری جدائی نے
بکھر چکا تھا ترے درد نے سنوار دیا

ہوا نے کر دیا بے برگ مجھ کو پت جھڑ میں
اسی ہوا نے مجھے پھر سے برگ و بار دیا

بجا یہی ہے کہ جینا مجھے نہیں آیا
میں کیسے مان لوں دشمن نے مجھ کو مار دیا

ہوں یوں تو زندہ مگر جل رہا ہے پوروں میں
جو زہر وقت نے خوں میں مرے اُتار دیا

بیاں کی خُو ہی کہاں تھی نسیم کم گو میں
سُخن کا رنگ اسے تو نے خُوئے یار دیا

☆☆☆☆☆☆

خون سے لکھے ہوئے اوراق سے روشن ہوئی

راحت نسیم ملک

خون سے لکھے ہوئے اوراق سے روشن ہوئی
عمر آخر درد کے میثاق سے روشن ہوئی

زہر پھیلا اولاً خوں میں اندھیرے کی طرح
میری رگ رگ پھر اسی تریاق سے روشن ہوئی

لفظ کی سیلن سے ہی اک روز بُجھ کر رہ گئی
شاعری کہ لفظ کے چقماق سے روشن ہوئی

ضو ستاروں میں نہ ہی ماہتاب کے ہالے میں تھی
شب مری تنہائیوں کے طاق سے روشن ہوئی

چشمِ حیرت وا ہوئی تو ہر طرف وہ لَو ملی
جو تہجد سے ہی نہ اشراق سے روشن ہوئی

دل کے انواح کی زمیں زرخیز ہے بے حد نسیم
اپنی قسمت بھی اسی الحاق سے روشن ہوئی

☆☆☆☆☆

اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے مفر ممکن نہیں

راحت نسیم ملک

اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے مفر ممکن نہیں
اور یہ بھی ہے کہ خوابوں سے حذر ممکن نہیں

میں نے رکھ دی تھی کبھی کوفے کی مٹی پر جبیں
اس لئے میری دُعاؤں میں اثر ممکن نہیں

لوگ کہتے ہیں ہمیشہ حق کی ہوتی ہے فتح
چاہتے تو ہم بھی ایسا ہیں مگر ممکن نہیں

چاند کے چہرے پہ کالک رات نے مَل دی تو کیا
سب ستارے ڈوب جانے تک سحر ممکن نہیں

سامنے پھیلی ہوئی دیوار میں ہی در کھلے
واپسی کے راستے پر تو سفر ممکن نہیں

دل دھڑکنے کی صدا کوئی نہ جذبوں کی ہمک
اس نگر میں زندگی 'المختصر' ممکن نہیں

سینچیے اپنے لہو سے ورنہ اس رُت میں نسیم
کِھل اُٹھے لفظوں کی شاخِ بے ثمر ممکن نہیں

شاعر کے بکھرنے کی ادا دیکھتے رہنا

راحت نسیم ملک

شاعر کے بکھرنے کی ادا دیکھتے رہنا
ٹوٹے ہوئے لوگوں کی انا دیکھتے رہنا

نیندوں کے اُجڑنے سے کہیں آنکھیں بُجھی ہیں
کچھ خواب ہیں خوابوں سے سوا دیکھتے رہنا

میں پھول ہوں جو خاک میں کھلتا ہی رہے گا
اے شہرِ جفا میری وفا دیکھتے رہنا

تھک جاؤ گے اک روز مری کرچیاں چُنتے
کس کانچ پہ چلتے ہو ذرا دیکھتے رہنا

وہ بھی تو شکستہ ہیں جنہیں چاہا گیا تھا
تم چاہنے والوں کی سزا دیکھتے رہنا

ہم لوگ سفر میں ہیں کسی اَور بھی چل دیں
تم لوگ زمانے کی ہوا دیکھتے رہنا

سوچا ہے کہ پھیلاؤں گا میں ہاتھ کسی روز
کیا ہو گی مری پہلی دعا دیکھتے رہنا

کچھ تم ہی کہو اپنی تو عادت ہے پرانی
بیٹھے ہوئے خاموش خلا دیکھتے رہنا

وہ جس کو تراشا تھا نسیم ان کے ہنر نے
اب اس پہ فقیروں کی عطا دیکھتے رہنا

☆☆☆☆☆

متفرق اشعار

سچ لکھا کچھ سوچ کر خود ہی قلمزد کر دیا
مجھ پہ ہی اُترا صحیفہ میں ہی منکر ہو گیا

....

مجھے تم پرانی کتابوں کے حرفوں میں کیا ڈھونڈتے ہو
پرانی کتابیں گئے وقت کے طاقچوں کے لئے ہیں

....

زرد پتوں کی طرح ٹوٹ بکھرتے رہنا
حُسن کا اِسم ہری شاخ پہ لکھتے رہنا

یہ نہ ہو جائے کہیں اپنا مقدر ٹھہرے
اُس کے ہونٹوں پہ دعا بن کے لرزتے رہنا

....

تُو بھی یوسف ہے مگر یہ جان کر ارزاں نہ ہو

راحت نسیم ملک

تُو بھی یوسف ہے مگر یہ جان کر ارزاں نہ ہو
کون جانے اب کے منزل پر کوئی کنعاں نہ ہو

خوف آتا ہے مجھے اس جبر کی ساعت سے جب
کھیتیاں جلنے لگیں اور خواہشِ باراں نہ ہو

زندگی کچھ حوصلہ دے ،یہ نہ ہو تیرہ نصیب
مشعلیں دل کی بُجھا ڈالیں چراغِ جاں نہ ہو

یہ بھی ممکن ہے وہ مِل جائے سفر میں ایک دن
آنکھ میں لیکن پرانے خواب کی پہچاں نہ ہو

سوچتا ہوں ایسی باتیں جن کا حاصل کچھ نہیں
لکھ رہا ہوں ایسی نظمیں جن کا کچھ عنواں نہ ہو

بے جہت لمحے تھکن کی کرچیاں دے کر گئے
ہم اِک ایسی شام ہیں جس میں کوئی پیماں نہ ہو

☆☆☆☆☆☆

لرزش لہو کو، درد کی زیبائی دے مجھے

راحت نسیم ملک

لرزش لہو کو درد کی زیبائی دے مجھے
تُو خواب ہے تو حرف کی رعنائی دے مجھے

میں اسم ہوں جو گم ہے سوالوں کی دُھند میں
آ مجھ کو چوم عشق کی دانائی دے مجھے

پھرتا ہوں بوند بوند گہر کی تلاش میں
ان پانیوں میں سیپ کی سچائی دے مجھے

بے نُطق ہو گیا ہوں ہواؤں کے قہر سے
ظالم رُتوں میں زخم کی گویائی دے مجھے

چلتے میں اپنی چاپ بھی رستوں میں سُن سکوں
اتنی تو شہرِ ہجر میں تنہائی دے مجھے

سب عکس روشنی کی چکا چوند لے گئی
کھولی ہے میں نے آنکھ تو بینائی دے مجھے

میری مہک نسیم کیوں مجھ سے بچھڑ گئی
کچھ اس کا بھید ہی کبھی پُروائی دے مجھے

جن میں خوابوں کی دھنک تھی وہ رُتیں جاتی رہیں

راحت نسیم ملک

جن میں خوابوں کی دھنک تھی وہ رُتیں جاتی رہیں
ہم ابھی زندہ ہیں لیکن دھڑکنیں جاتی رہیں

رات کے پہلے پہر تو حوصلے روشن رہے
پھر نہ جانے کیوں چراغوں کی لَویں جاتی رہیں

ہو گئے اہلِ ہنر سب صرفِ کارِ آرزو
اور ان ہاتھوں سے روشن مشعلیں جاتی رہیں

اب کھلا کہ حق و باطل کی قلمرو ایک ہے
ہم نے کھینچی تھیں لہو سے جو حدیں جاتی رہیں

ڈھونڈتے ہیں راستہ اِک دوسرے کو روند کر
اے خدا کیا اس زمیں کی وسعتیں جاتی رہیں

تھی جو اِک تاثیر مٹی میں نسیم اَب چھن گئی
پھول باقی رہ گئے اور خوشبوئیں جاتی رہیں

عمر بھر اوڑھے رہے گو ہم ردائے زندگی

راحت نسیم ملک

عمر بھر اوڑھے رہے گو ہم ردائے زندگی
کہہ نہیں سکتے کہ ہم ہیں آشنائے زندگی

اپنے ہی قدموں تلے ہے تار تار اپنا بدن
اس طرح بھی پاٹتے ہیں آبنائے زندگی

دیکھ کر کعبے میں بُت ایمان اپنا لٹ گیا
کر گیا کافر ہمیں قبلہ نمائے زندگی

عدل کی حسرت لئے جو بے گناہ مارے گئے
وہ بھی بندے ہیں ترے فرمارِوائے زندگی

ثبت کیں اُس نے شکستوں کی لکیریں ہاتھ پر
ہم کہ شاعر تھے رہے نغمہ سرائے زندگی

ہر عمل بے شک ہے سودا عاقبت کے واسطے
نقد کچھ تو چاہیے لیکن برائے زندگی

عافیت ہو تو کسی گوشے میں جا کر پڑ رہیں
کچھ ہماری سُن لے کچھ اپنی سنائے زندگی

قہقہوں اور آنسوؤں سے جی اٹھے اپنا مکاں
ایک دن تو اپنے گھر بھی لوٹ آئے زندگی

زندگی نے کی وفا تو ایک دن ہم بھی نسیم
کر ہی ڈالیں گے رقم طرزِ جفائے زندگی

☆☆☆☆☆

آنے والے کل کی بوجھل آنکھوں سے تفسیر نہ کر
میرے خواب سبھی سچے ہیں تو جھوٹی تعبیر نہ کر

☆☆☆☆☆☆

گھر پہنچ کر دور جاتے راستوں کی سوچنا

راحت نسیم ملک

گھر پہنچ کر دور جاتے راستوں کی سوچنا
تم سے ہو پائے تو میرے فاصلوں کی سوچنا

رسمی لفظوں سے چکا کر کاغذوں کے قرض کو
جو کبھی لکھے نہیں ایسے خطوں کی سوچنا

اجنبی بانہوں میں اپنا ہم بدن پا کر کبھی
جن پہ اپنا نام تھا ان دھڑکنوں کی سوچنا

سوئی جھیلوں کے بدن میں لہر بن کر ٹوٹنا
کچی نیندوں کے بگڑتے دائروں کی سوچنا

دُھند میں لپٹے ہوئے شیشوں پہ لکھ کر کوئی بات
اپنی بے مطلب پریشاں انگلیوں کی سوچنا

دن گذر جائے گا اندر کا خلا بھرتے ہوئے
شعر لکھنا اور بوجھل فائلوں کی سوچنا

رات بھر محصور لوگوں کی دعائیں مانگنا
پھر ابا بیلوں کی ان کے کنکروں کی سوچنا

خون میں جمتی ہوئی بنجر سفر کی گرد میں
شہر کے زخموں کو دھوتی بارشوں کی سوچنا

کھوجتے پھرنا ہو میں اپنے کھوئے لمس کو
جو نہیں آئے نسیم ان موسموں کی سوچنا

تیرتے پھرتے ہیں سب لہروں پہ منظر ایک سے

تیرتے پھرتے ہیں سب لہروں پہ منظر ایک سے
گدلے دریاؤں نے کر ڈالے سمندر ایک سے

سب ہوئے اس شہر میں اِک ہی گُنہ کے مرتکب
سب کے ہاتھوں میں نظر آتے ہیں پتھر ایک سے

اُن کو سورج کی شناسائی بہت مہنگی پڑی
ہو گئے سب موم کے چہرے پگھل کر ایک سے

آرہی ہے ہر طرف سے ایک سے لفظوں کی گونج
اس نگر میں ہو گئے کیا سب سخن ور ایک سے

ہم نے پائے سب گھروں میں ایک سے دُکھ سُکھ نسیم
ایک سی دیواریں ساری اور سب در ایک سے

روتے روتے اِک دن پتھر ہو جائے

روتے روتے اِک دن پتھر ہو جائے
جاگنے والی آنکھ بھی تھک کر سو جائے

پچھلی رات کے دکھ تو ہم نے کاٹ لئے
یہ موسم جانے کیا فصلیں بو جائے

جو دیوار پہ لکھا ہے اس کو پڑھ لیں
بارش یہ تحریر بھی شائد دھو جائے

آئندہ کا خواب ہمارا دُشمن ہے
پیاسا رکھے لیکن ہونٹ بھگو جائے

وہ رستے کی بھیڑ میں میرے ساتھ تو ہے
راہ ملے تو ہو سکتا ہے کھو جائے

میری پوروں میں اک آگ سی جلتی ہے
لکھنے بیٹھوں ورق تک لو جائے

محبت میں شاعری

تم سے مل کر یہ کھلا سب شاعری بے کار ہے
تم سے پہلے جلتی پوروں سے کبھی کاغذ کو چھو لیتے
تو ہم اپنے لکھے کو حرفِ آخر مانتے
آنکھ کے روزن پہ پھیلی دھند کو سچائی کا در جانتے

تم سے مل کر یہ کھلا ہے حرفِ آخر وہ نہیں
کاغذ پہ جو ہم نے لکھا
اور سچائی کا در بھی وہ نہیں
آنکھ کے روزن پہ پھیلی دھند میں جو وا ہوا

حرفِ آخر خون میں چلتی ہوئی چنگاریوں کا لمس ہے
اور سچائی کا در اس ربط کا اظہار ہے
تم سے مل کر یہ کھلا یہ ربط بھی تو بار ہے

تم اگر وہ خواب پڑھ لو جو کھلی آنکھوں میں ہے
ہم اگر وہ حرف لکھ دیں جو ابھی سوچوں میں ہے

خواب کا آنکھوں سے رشتہ
حرف کا سوچوں سے ناطہ
سب ہمارے درمیاں جس ربط کی روداد ہے
ہم اگر اس ربط کا اظہار کر دیں بھی تو کیا
جھوٹ سچ کا فاصلہ اک دھند ہے

ہم تمہیں اک روز پا لیں بھی تو کیا
آنکھ کے روزن پہ پھیلی دھند کیا اس لمس سے چھٹ جائے گی
زندگی تلوار پر پنجوں کے بل چلتے ہوئے کٹ جائے گی

تم سے ہم کیسے کہیں جینا بہت دشوار ہے
تم سے مل کر یہ کھلا یہ سوچ ہی بے کار ہے
جان تم تو جانتی ہو شاعری آزار ہے

نظم (ہمارے ہاتھوں پہ جو لکھا ہے)

ہمارے ہاتھوں پہ جو لکھا ہے
اگر وہ ہم سب سے معتبر ہے
تو آنکھ کیوں ہم پہ نوحہ گر ہے

کوئی بتائے کہ آنکھ کیوں ہم پہ نوحہ گر ہے
کہ ہم جو ہونے کے اور نہ ہونے کے
مرحلوں سے گذر چکے ہیں
یہ جانتے ہیں

کہیں سمندر کے پانیوں کی چمکتی تہہ میں
ہماری معصوم خواہشوں کا صدف چھپا ہے
مگر ہمارے شکستہ جسموں پہ اُگتی کائی بھی واقعہ ہے
(کسے خبر ہے!)

یہ واقعہ تو ہماری سانسوں میں مشتہر ہے
کہ ہم نے برسوں مفاہمت کے سفر میں اس طور زندگی کی
جو ریت پلکوں پہ اَٹ گئی ہے وہی غنیمت
جو رات آنکھوں میں کٹ گئی ہے وہی غنیمت
یہی بہت ہے کسی کو چاہا
کسی کے خوابوں سے دوستی کی

ہماری صبحوں کا پہلا احساس سگرٹوں کا کسیلا پن ہے

ہمارے دن رات کے مقدر میں
خالی کاغذ پہ آڑا ترچھا ادھیڑ بن ہے
یا باسی لذت کے مردہ بوسوں کا نیم فن ہے

(کوئی بتائے کہ زندگی کیوں ترستی نیندوں کی رہگزر رہے)
اُداس پلکوں پہ کرچی کرچی ادھودے پن سے کسے حذر رہے
دلوں میں دکھ کی دراڑ گہری ہے، کیسے پاٹیں
اگر سمندر کے کھارے پانی کو ہونٹ چھو لیں
تو پیاس کانٹے بشارتوں کی زبان چاٹیں
جو ہم نے بوئی نہیں وہ فصلیں بھی ہم ہی کاٹیں

ہمارے ہاتھوں پہ کب سے محرومیوں کی تقدیر مقتدر ہے
اے مقتدر
جب ہماری پوروں کو پانیوں کی چمکتی تہہ کا صدف
نئے لمس کی نمود دے
کہ ساحلوں کی سڑاند میں گھلتا چاند دیکھیں
سیاہ کائی میں سمٹی لہروں کو اپنی بانہوں میں کھلتا دیکھیں
تو زندگی کے اُجاڑ پن میں ہمیں بھی ہونے کی آرزو دے
ہمارے زخموں کو آبرو دے

☆☆☆☆☆☆

اُداسی میں ایک تجربہ

ہوا تو اب بھی اداس کرتی ہے
ہوا ہمیں کیوں اداس کرتی ہے
شاخِ دل کے لرزتے پتے
ہوا سے تو اپنی دوستی ہے

ہوا سے تو اپنی دوستی ہے
کہ آسماں اپنے گدلے رنگوں میں لتھڑا دن
شہر کے تھکے بازوؤں کو سونپے
تو تازہ دم حوصلوں کی مائم (MIME) لئے
ہوا ہی سفر کے منظر کو کھولتی ہے
اگر کبھی برف خامشی نے
زمیں کے ہونٹوں پہ کھلتی آوازیں چاٹ لی ہوں
تو بند کمروں کی باسی سانسوں میں
اُجلی خوشبو
ہوا کی آہٹ ہی کھوجتی ہے

ہوا مگر اب اداس کرتی ہے
انگلیوں میں چٹختی سوچوں سی کانچ تصویر
جس کے مرکز پہ
کوئی اپنی شبیہ والا بھٹک رہا ہو
کسی کے ہونٹوں کی لپ سٹک میں
مچلتی بے ساختہ سی تحریر

جس کو اس نے کبھی لہو میں رقم کیا ہو
اور ایسا ہرنا تا عکسِ شمشیر ہے
جو بوجھل تھکن میں ملفوف جلتی
آنکھوں میں ٹوٹتی ہے

(۲)

ہوا بھی اب ہم سے پوچھتی ہے
اگر ہماری شبیہ مرکز کا زاویہ ہے
تو پھر ہماری رگوں میں پھیلا مدار کیا ہے
جو ہم کو ہم سے علیحدہ کر کے
ہمارے جسموں پہ ایسا چہرا لگا رہا ہے
جو اس کا چہرہ نہیں ہے

کُوک فریدا کُوک (۱)

آ ئینے گنگ ہیں دھند لکے میں
عکس کھلتے بگڑ تے رہتے ہیں
کون چہرا تمہارا چہرا ہے!
را کھ آنکھوں میں اُڑ تی رہتی ہے
دھڑ کنوں میں گرہ سی پڑ تی ہے
لفظ ردی کے بھاؤ بکتے ہیں
شعر لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا
خالی مٹی پھرولتے جوگی ! (۲)
دل کے دُ کھنے سے کچھ نہیں ہوتا
کرچیاں ٹوٹتی ہیں رگ رگ میں
جیسے کوہِ ندا پکارتا ہو
اُنگلیوں سے لہو ٹپکتا ہے
کورا کاغذ سلگنے لگتا ہے
آگ ہر سمت پھیل جاتی ہے
کیا انا الحق کی کُوک گونجتی ہے؟

....(اعتزاز احسن کے لئے)

(۱) کُوک فریدا کُوک توں جیون راکھا جوار
جب لگ ٹانڈا نہ گرے تب لگ کُوک پُکار (بابا فرید)
(۲) تیرا لبھنا نئیں لعل گوا چا
مٹی نہ پھرول جوگیا (لوک گیت)

۲۷ دسمبر ۲۰۰۷

(بینظیر کے لئے ایک آنسو)

سرخ لہو کا تال بھئو، سورج کا انتم بھیس
بھور سمے کے روپ کی کتھا
کہہ آ کاش کی آنکھ
جس کے جوبن دَرَس کو ترسی رہ گئی اپنی آنکھ
جگ نے دیکھا کالے شیشے پہن کے بالے لوگ
بھرے چانن میں چنتے رہ گئے اپنے اپنے روگ

چندھیائی آنکھوں کو
اس نے ڈوب کے چھب دکھلائی

سو گئی اپنے مکھ پر ڈار یرَت رنگیلے کیس
اکھیّن اکھیّن جاگ اٹھا اس کا چانن سندیس
کہنا چاہوں کہہ نہ پاؤں سانجھ بھئی چوندیس

....

الف لیلہ و لیلہ ۲۰۰۳

(طویل نظم سے دوسرا اقتباس)

پہلی شب کی کہانی

operation shock and awe

اس منظر کو دیکھنے والی آنکھ نہیں سو سکتی

لیپ ٹاپ پہ چلتی انگلی بنکر بسٹر (bunker buster) بم
برسائے
لیزر (laser) اپنی نوک پہ کچھ ایسا شعلہ بھڑکائے
خشک لبوں پہ آتا جاتا سانس نہ چلنے پائے
دجلہ کے پانی میں گوندھی ہری کوکھ جل جائے

کوکھ جلی مٹی میں ہوا اب خواب نہیں بو سکتی
شائد یہ وہ آگ ہے جو گلزار نہیں ہو سکتی

ہر ایک شب کی کہانی

بنوکِ خار می رقصم

چل رقص کریں آ رقص کریں

یہ مر جانے کی ساعت ہے

یہ جی اٹھنے کا لمحہ ہے

جو رگ رگ میں حدت بھر دے

وہ مے پینے کا لمحہ ہے
جب ٹوماہاک کی آگ جلے
اس آگ سے پھر گلزار کھلے
کچھ تو یہ لمحہ ہو جائے
جو ہونا ہے ہو جائے
چل پیر مناؤن کو نکلیں
چل ڈھولے گاؤن کو نکلیں
چل اندر والی بُوٹی سے
پھر جان پھلن پر آئی ہے
چل اس خوشبو کی تاپ پہ آ
آ تھیا تھیا رقص کریں

زنجیر بدن کو کاٹتی ہے
آ اس زنجیر کو توڑ ہی دیں
جینے کی رسمیں چھوڑ ہی دیں
چل آج لبادے چاک کریں
چل اس قصے کو پاک کریں
چل سب کچھ ملیا میٹ کریں

لمحہ لمحہ مرنے والے
جینا بھی بہت ضروری ہے
ایسی بھی کیا مجبوری ہے
جو اندر درد سلگتا ہے
اس بم کو ڈیٹونیٹ کریں
منصور کی سولی کی لَے پر

چل آ کالی کا رقص کریں
چل رقص کریں آ رقص کریں

دُکھ کی ایک شب کی کہانی

کرب و بلا

میں نے اپنے بوڑھے باپ کو
تپتی سڑک پر ناک رگڑتے دیکھا
میں نے اپنی ماں کو دیکھا
وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ مری پڑی تھی
گولی اس کے دل پہ لگی تھی
جنگ میں مردے قبروں سے کیوں اٹھ آتے ہیں

دکھ کی ایک اور شب کی کہانی

سنو بغداد کہتا ہے

کتابیں خواب ہوتی ہیں
ہیں اک اک خواب میں
صدیوں کی بے خوابی کی تحریریں
کتابیں زندگی کی آب ہوتی ہیں

مگر بغداد کہتا ہے
کتابیں جل بھی جاتی ہیں
ہلاکو کی کماں سے ایک جلتا تیر چلتا ہے
تو خاک وخوں میں چھپ جاتی ہیں فارابی کی تحریریں
کسی میرین کی ماچس کی اک تیلی بھڑکتی ہے

تو واشنگٹن کے ہاتھوں میں چیختی ہیں حمورابی کی تحریریں
کتابیں سوچ کا مضراب ہوتی ہیں
اگر کچھ خواب پوٹو میک کی لہروں کی زد میں ہیں
تو کیا مٹ جائیں گی صدیوں کی خونابی کی تحریریں

کتابیں حلف ناموں کا رو پہلا باب ہوتی ہیں
یہ بھی بغداد کہتا ہے کہ حلف ایسے نہیں مٹتے
حمورابی کی گل تختی کو دجلہ چاٹ بھی جائے
مگر حلف اس کا
جیفرسن کے خوابوں میں دھڑکتا ہے
نہیں مٹتی نہیں مٹتی، کبھی انساں کیسے تابی کی تحریریں

مزید ایک شب کی کہانی

عراقی قیدی

چہرے پر کابوس چڑھا تھا
اور گلے میں پھندا
تارا مسیح کی اک جنبش پر ختم ہوا سب دھندا
آج وہی کابوس ہے سر پر
پیچھے باندھے ہاتھ
اس لمحے کی سولی سے
اب سو صدیوں کا ساتھ

بائیسویں شب کی کہانی

ہم ہلاکو نہیں

ہم ہلاکو نہیں

الجزیرہ کی باتوں پہ مت جایئے
ہم ہلاکو نہیں
ہم نہیں جانتے کہ ہلاکو کے منگول بچوں کے سر
اپنے مینار میں چنتے تھے یا نہیں
ہم تو یہ جانتے ہیں
کہ وہ جن کی ٹانگیں گئیں
ان کا ٹانگیں ملیں گی مشینی نئی
جن کے بازو گئے ان کو بازو ملیں گے مشینی نئے
علی ہی کو لیں
اس کو ٹانگیں ملیں اس کو بازو ملے
اس کی جھلسی ہوئی کھال پر اب نئی کھال ہے
ہم ہلاکو نہیں

الجزیرہ کی باتوں پہ مت جایئے
اور ہمارے بموں سے برستی ہوئی موت کو چھوڑیئے
وہ ثمر دیکھئے جن سے تہذیبِ بغداد محروم تھی
ہم نے بغداد بے شک اُجاڑا تو ہے
مگر آج بغداد آزاد ہے
ہم نے کہہ جو دیا
ہم ہلاکو نہیں

زندگی سے ایک اقتباس

اب مرے پاس کوئی خواب نہیں
رات کے بانجھ اندھیروں کی بجھی آنکھ میں
اب کوئی بھی مہتاب نہیں
صبح ریزر (razor) کی نئی دھار پہ چلتی ہوئی آتی ہے
پرانی خبریں
سر بریدہ نئے چہروں کی طرح
دن کی دہلیز پہ مصلوب کہ اب تو جاگو
آئینہ دانتوں پہ ٹوتھ پیسٹ سجاتا ہے، چمکتا کالر
آج کے دن کے لئے سعد ہو گھر سے نکلو
اور آنکھوں میں چھپے رستے ہوا میں ڈھونڈو
شہر میں کوئی ظفریاب نہیں

دن گذرتا ہے بہر طور گذر جاتا ہے
شاخ سے ٹوٹ کے
فٹ پاتھ پہ آوارہ ارادے چنتے
اپنے بے چہرہ لبادے بُنتے
ہانپتے شہر کے ہاتھوں سے پھسلتے لمحے
شاہراہوں کے بھنور میں الجھے
سانس کی اندھی گرہ کیا سلجھے
دل میں خواہش کا کوئی باب نہیں
شام ''نے اون'' سے تنہائی کا آشوب رقم کرتی ہے
تیرگی اوڑھتی پرچھائیں بلاتی ہے

کہ جینا سیکھو
زندگی نوٹ درنوٹ بکھرتی ہوئی فائل کی طرح
ربط سے محروم سہی
بے جہت رستوں میں بٹ جانا ہی مقسوم سہی
اپنی سولی تو اٹھانے کا قرینہ سیکھو
کرچیاں چُنتی اداسی کی تھکی پوریں ہوکو چومیں
ایک سے رات اور دن کے ستم سہتے
گھروندوں میں پتہ کیا ڈھونڈیں
دکھ لہو پی کے بھی سیراب نہیں
رات کے بانجھ اندھیروں کی بجھی آنکھ میں کیا
کوئی بھی مہتاب نہیں
درد کا آئینہ بے آب نہیں

بچوں پر ایک نظم

ناظم حکمت

ترجمہ: راحت نسیم ملک

خدائے برتر
ہمارے ہاتھوں، دلوں کے
ذہنوں کے روپ میں-- ہر کہیں ہے
مٹی میں اور چٹانوں میں
اور تانبے میں، ٹھوس آہن میں
کینوس میں، پلاسٹک میں
وہی ہے آہنگ بھری لکیروں میں اور سُروں میں
اے نوعِ آدم
سُن آج میری پکار سُن --- میں
تجھے کتابوں کے اور درختوں کے واسطے سے پکارتا ہوں
پکارتا ہوں تجھے میں
مچھلی کے اور گیہوں کے
دھان کے اور دھوپ میں مسکراتی گلیوں کے واسطے سے
سیاہ زلفوں، سنہرے بالوں کے
اور بچوں کے واسطے سے
ہمارے دن رات ننھے ہاتھوں میں اپنی باری کے منتظر ہیں
وہ تُخم ہیں ان کی ننھی ہتھیلیوں میں

یہیں کھلیں گے
چلو ہم اک روز کے لئے یہ زمین
بچوں کو سونپ ڈالیں
یہ ان کا رنگین گیند ہو اور وہ اس سے کھیلیں
وہ خوب کھیلیں چمکتے تاروں کے درمیاں
خوب ناچیں گائیں
تو آؤ
ہم زمین بچوں کو سونپ ڈالیں
کہ ایک دن کے لئے
وہ اس سے رسیلے سیب اور
گرم روٹی کا حظ اٹھائیں
کہ ایک دن کے لئے تو وہ پیٹ بھر کے کھائیں
تو آؤ
ہم یہ زمیں بچوں کے ہاتھ دے دیں
کہ ایک دن کے لئے تو دنیا میں دوستی ہو
کہ ننھے منے امر درختوں کے بیج بوئیں

جے کجھ لبھے ،تاں کجھ آ کھاں

میں وریاں توں جھوٹھیاں گلاں
لفظاں دے ہونٹاں تے سجا کے
خوش ہونا آں
وریاں توں انجانے دُکھاں دی پنڈ اپنے سر تے چا کے
آوندے کل دی راہ پیا لبھنا
جے کجھ لبھے تاں کجھ آ کھاں
پر جو لبھے او کی دساں
میں تے سوچاں دے شیشے،اک کالا مکھ ویکھ کے ڈرناں
کدھرے ایہہ میں ہی ناں ہوواں
تے فیر اس دی گل نئیں کردا
بس انجے ای جھوٹھیاں گلاں،لفظاں دے ہونٹاں
تے سجا کے خوش رہناں آں

۲۱ دسمبر کی شام

میرے متھے تِن سو پینٹھ دناں دا لیکھ ویکھ کے
آوندے کل دا سورج کی آکھے گا
میں بستر دی ہِک نال لگ کے
چارے پاسے کھلرے کاغذ
ادھ پچدے سگرٹ ویکھاں
کونے والی میز کتاباں
(ساہواں دے وچ دھول ملی اے)
دھویں دا ہتھ اساناں دے مونڈھے اُتے
روح دا میل لکایاں ودھدا
(روح دا میل لکایاں بندی)
دکھ مدھولے منہ تے میں ہن
جھوٹے سُکھ دے چھِٹے لاواں
تے کمرے توں بہر نکل کے
آوندے کل دے سورج نوں سینے نال لاواں
پر متھے تے تِن سو پینسٹھ دناں دا لیکھا
کد لُکدا اے

پنجابی غزل

نھیرے ونھیاں گلاں،سِلیاں سوچاں، پھوکے فیر
انھی رات چ وکھرے کریے،کالے چٹے وَیر

جیکن ہووے چُکی چلو عمراں والی پنڈ
ٹھر کے ڈھیہ گئے ہوسن کدھرے برفاں مارے پیر

گونگیاں، بولیاں کندھاں وی ہُن پچُھن تیرا ناں
سجنا، کد تک اپنے گھر وچ رہسیں بن کے غیر

اکلاپے دی گل سُکھلّی،ہڈ ورتی توں ڈر
اکھر وی جد ہتھ چھڈا کے رب توں منگن خیر

بعد مرن تھیں کیہہ کجھ ہونا،میتھوں پچُھ کے دیکھ
روز سویرے دفتر جانا ،شام نوں لمی سیر

☆☆☆☆☆☆

ایک شعر

دن چڑھ آیا منہ ہتھ دھو کے چٹے کپڑے پا
دفتر چل ہُن سانبھ کے منڈیا سُفنے لِیر و لِیر

☆☆☆☆☆